***Journal of Religion & Society* (JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Apparent Contradictions in the Verses of Legal Rulings: An Analytical Study

آیاتِ احکام میں بظاہر تعارض: تجزیاتی مطالعہ

Hafiz Muhammad Asghar Shakir
M. Phil Islamic Studies, Government College University Faisalabad, Pakistan,
mirzaasghar840@gmail.com
Dr. Mahmood Ahmad (Corresponding Author)
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Government College University Faisalabad, Pakistan,
mahmood.ahmad@gcuf.edu.pk

Abstract
This research paper critically examines the the perceived contradictions in the Qur'anic legal verses (Āyāt al-Aḥkām), a subject often targeted by critics to undermine the coherence of Islamic law. The study explores several key areas where contradictions are alleged, such as the rulings on fasting, punishment for adultery, the waiting period ('iddah) for widows, and the principle of non-coercion in religion. Through a detailed analysis grounded in principles of abrogation (naskh), linguistic clarity, and contextual interpretation, the paper demonstrates that these objections are based on superficial readings or ignorance of Islamic legal methodology. The study confirms that the Qur'anic legal framework is both internally coherent and systematically structured, and that any perceived conflict dissolves when viewed through the lens of traditional exegesis and jurisprudence.

Keywords: *Qur'anic Law, Apparent Contradictions, Abrogation (Naskh), Āyāt al-Aḥkām, Islamic Jurisprudence, Legal Hermeneutics, Qur'anic Consistency, Fiqh, Tafsir.*

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آخری کتاب کی صداقت و حقانیت پر جو دلائل دیے، ان میں سے ایک اہم دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کے تضاد اور اختلاف سے پاک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا"[1]

"تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً یہ اس میں بہت سے اختلافات پاتے"

[1] النساء: ۸۲

جو بھی قرآن مجید میں تفکر و تدبر کرے گا تو قرآن مجید کے اس دعویٰ کی صداقت اس پر واضح سے واضح تر ہوتی چلی گئی۔ قرآن مجید کا تناقض اور اختلاف سے پاک ہونا ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس کا انکار کوئی بھی انصاف پسند آدمی نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں زبان و ادب کے مختلف اسالیب اختیار کیے گئے ہیں۔ اگر کوئی قرآنی اسالیب کی ان نزاکتوں سے واقف نہ ہو یا الفاظ کی حقیقت تک رسائی نہ رکھتا ہو یا نسخ کی حقیقت سے ناآشنا ہو تو ممکن ہے وہ بعض مقامات میں تضاد کی کیفیت محسوس کرے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہو گا۔

روزے رکھنا ضروری ہے یا اختیاری؟:

اس تناظر میں کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی دو آیات میں مختلف حکم بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

"وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ"[2]

"اور جو لوگ اس کی طاقت رکھیں (اور روزہ نہ رکھنا چاہیں) تو ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں"

اور دوسرے کے مقام پر فرمایا:

"فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ"[3]

"اور تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے وہ اس کے روزے ضرور رکھے"

ان دونوں آیات میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں یہاں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ روزے داروں کی مختلف حیثیتوں کا ذکر ہے۔ ان آیات کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ رخصت والا حکم ابتدا میں تھا اور یہ بعد والی آیت سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں یہ آیات نازل ہوئی: وعلی الذین یطیقونہ تو ہم میں سے جو چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا فدیہ ادا کر دیتا: حتی نزلت الآیۃ بعدھا فنسختھا فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ یہاں تک کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی فمن شھد منکم کہ جو تم میں سے جو موجود ہو وہ اس کے روزے رکھے تو اس آیت نے اسے منسوخ کر دیا۔ قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

"رخص لهم في ذلك اول الامر لما امرو بالصوم فاشتد عليهم لانهم لم يتعد ثم نسخ"[4]

"جب انہیں روزوں کا حکم دیا گیا تو یہ ان پر بہت شاق گزرا کیونکہ وہ اس کے عادی نہیں تھے اس لیے شروع شروع میں فدیہ کی رخصت دی گئی۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا"

نسخ کی صورت میں دونوں آیات میں تطبیق بلکل واضح ہے۔ ان آیات کی تطبیق میں ایک قول یہ ہے کہ یطیقونہ باب افعال ہے اور اس کا ہمزہ کسی سلب ماخذ کے لیے آتا ہے جیسے اشکیتہ کا مطلب ہے میں نے اس کی شکایت کو دور کیا۔ تو یطیقونہ سے مراد یہ ہے کہ جو اس کی طاقت نہیں رکھتے وہ فدیہ ادا کریں اور باقی لوگ روزے رکھیں تو یہ حکم شیخ فانی کے لیے اور دوسرا حکم عام لوگوں کے لیے ہے۔ ایک قول کے مطابق یطیقونہ سے پہلے لا محذوف ہے لیکن اس صورت لا کو محذوف ماننے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ایک قول کے مطابق یُطَوَّقُوْنَہٗ، کے معنی میں ہے۔ اس کی ایک قراءت یہ بھی ہے۔ اس سے مراد ہے:

"يكلفونه أو يتكلفونه على جهد منهم وعسروهم الشيوخ والعجائز و حكم هولاء الافطار و الفيدية وهو على هذا الوجه ثابت غير منسوخ"[5]

---

[2] البقرہ: ۱۸۴

[3] البقرہ: ۱۸۵

[4] بیضاوی، ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر، انوار التنزیل واسرار التاویل، ج ۱، ص ۱۱۰

[5] زمخشری، ابو القاسم محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، ج ۱، ص ۲۵۲

"جو روزہ بہت تکلیف اور مشقت کے ساتھ رکھ سکتے ہیں اور وہ بوڑھے مرد اور عورتیں ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور افطار کریں اور فدیہ ادا کریں۔ اس صورت میں یہ آیت منسوخ نہیں ہوگی"

اس معاملہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق روزوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہاں فدیۃ طعام مسکینسے مراد صدقہ فطر ہے مراد یہ ہے:

"و علی الذین یطیقون الطعام فدیۃ ھی طعام مسکین"[6]

"جو لوگ کھانا کھلانے پر قادر ہوں وہ ایک مسکین کا کھانا صدقہ فطر دیں"

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"و علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین میں فدیۃ طعام مسکین"

اگرچہ مؤخر ہے لیکن ترکیب میں بلحاظ مرتبہ مقدم ہے چونکہ یہ مبتدا مؤخر ہے تو یہاں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہے جو کہ جائز ہے اور چونکہ فدیہ طعام کے معنی میں ہے اس لیے یطیقونہ کی ضمیر کے اس کی طرف لوٹنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان آیات میں کوئی تعارض نہیں بلکہ ان میں واضح تطبیق موجود ہے۔

بدکاری کی سزا کیا ہوگی؟:

قرآن مجید میں بدکاری کی سزا بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا:

"وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْہِدُوْا عَلَیْہِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ۔ فَاِنْ شَہِدُوْا فَاَمْسِکُوْہُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیْلاً"[7]

"اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنوں میں سے چار گواہ بنالو تو اگر وہ (بدکاری کی) گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روک لو یہاں تک کہ ان کی موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے اور راستہ پیدا کردے"

اسی تناظر میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

"اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ "[8]

"بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ"

ان دونوں آیات کی روشنی میں قرآن مجید میں تضاد کا دعویٰ کرنا فہم قرآن سے ناواقفیت کی دلیل ہے کیونکہ پہلی آیت بدکاری کی سزا کے تناظر میں ابتدائی اور پہلا حکم بیان کرتی ہے جس کی طرف اشارہ آیت کے الفاظ سے ہو رہا ہے کہ فرمایا: اویجعل اللہ لھن سبیلا کہ تم انہیں محبوس رکھنے کی سزا اس وقت تک دو جب تک اللہ تعالیٰ کوئی اور راہ نہ نکال دے۔ یہاں یہ واضح اشارہ پایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کوئی اور حکم نازل فرمائے گا۔ پھر سورۃ النّور میں وہ حکم نازل فرمادیا گیا کہ ان دونوں کی سزا سو سو درّے ہوگی۔ سورۃ النساء والی آیت کو سورۃ النور کی اس آیت نے منسوخ کردیا۔ تو ان دونوں آیات میں تضاد نہیں ہے بلکہ پہلی آیت منسوخ اور دوسری ناسخ ہے۔

جب سورۃ النّور کی یہ آیت نازل ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

---

[6] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر، کراچی، سعید کمپنی، ص ۲۱

[7] النساء:۱۵

[8] النّور:۲

"خذوا عنی خذوا عنی قدجعل اللہ لھن سبیلا البکر بالبکر جلدمائۃ و تغریب عام والثیب و الثیب جلدمائۃ والرجم"[9]

"مجھ سے احکام لے لو، مجھ سے احکام لے لو۔ اللہ تعالیٰ نے بدکاری کرنے والی عورتوں کا حکم بیان فرمادیا ہے۔ اگر غیر شادی شدہ (مرد وعورت) بدکاری کریں تو انہیں سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے جلا وطن کردو اور اگر شادی شدہ مرد وعورت بدکاری کریں تو انہیں سو کوڑے مارو اور سنگسار کردو"

تو پہلی آیت میں جس حکم کے نزول کا اشارہ تھا، دوسری آیت میں اس کا تذکرہ ہے۔ محبوس کرنے کی سزا دوسرا حکم نازل ہونے تک تھی۔ علّامہ مظہریؒ فرماتے ہیں:

"اللہ سبحان أمر بالحبس الی ان ینزل الحد فیجری علیہ"

"اللہ تعالیٰ نے قید کرنے کا حکم اس وقت تک دیا جب تک حد کا حکم نازل نہیں ہوا۔ حکم نازل ہونے کے بعد اسی کا نفاذ ہوگا"

علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں:

"کان ذلک عقوبتھن فی اول الاسلام ثم نسخ بقولہ الزانیۃ والزانی"[10]

"محبوس کرنے کی سزا شروع اسلام میں تھی پھر سورہ النور والی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوگئی"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان آیات میں نسخ ہے، کوئی تضاد نہیں ہے۔

بیوہ کی عدت کتنی ہے؟:

اسلامی تعلیمات کے مطابق اگر بیوہ حاملہ بھی ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے ورنہ چار مہینے دس دن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا"[11]

"اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکیں گی"

مقالہ کے شروع میں ہم نے قرآن کریم پر تضاد کا بہتان باندھنے والے جس مضمون کا ذکر کیا تھا، اس میں مضمون نگار کا خیال ہے کہ مذکورہ آیہ کریمہ کا اِس درج ذیل آیہ کریمہ کے ساتھ تضاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا، وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ"[12]

"اور تم میں سے جو لوگ وفات پاجائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے متعلق وصیت کر جائیں کہ وہ (شوہر کے گھر سے) نکالے بغیر ایک سال تک (نان ونفقہ کا) فائدہ اٹھائیں گی اور اگر وہ خود نکل جائیں تو وہ قاعدہ کے مطابق اپنے متعلق جو بھی فیصلہ کریں تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ غلبے والا اور

---

[9] ابن ماجہ، السنن، باب من وقع علی جاریۃ، دارالرسالۃ العلمیۃ، رقم الحدیث، ۲۵۵

[10] زمخشری، ابوالقاسم محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، ج۱، ص۵۱۸

[11] البقرہ: 234

[12] البقرہ: ۲۴۰

صاحبِ حکمت ہے"

ان دونوں آیات کی روشنی میں قرآن مجید میں تضاد کا دعویٰ کرنا فہم قرآن سے محرومی ہے۔ ایک بہت سطحی اور بے حقیقت بات ہے۔ یہاں ایسا نہیں ہے کہ پہلی آیت میں عدت چار مہینے دس دن اور دوسری میں ایک سال بیان کی گئی ہے۔ پہلی آیت میں عدت کا بیان اور دوسری میں وصیت کا۔ جب تک میراث کے احکام نازل ہوئے تھے اس وقت تک مرنے والے کو حکم تھا کہ وہ ممکنہ طور پر اپنے مال کے متعلق وصیت کر جائے۔ دوسری آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ قریب الموت خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر والوں کو وصیت کر جائے کہ وہ اس کی بیوی کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالیں۔ وہ ایک سال سکنیٰ اور نفقہ سے فائدہ اٹھاتی رہے یعنی عدت تو چار مہینے دس دن ہی ہے البتہ وہ اپنے خاوند کی موت سے لے کر ایک سال تک سکنیٰ اور نفقہ کا فائدہ اٹھاتی رہے۔ البتہ اگر عدت گزارنے کے بعد خود نکلنا چاہے تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں۔ تو پہلی آیت میں عدت کا بیان ہے اور دوسری میں نفقہ اور سکنیٰ کے لیے وصیت کا۔ ان میں تضاد والی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں وصیت کا حکم تھا تو احکام میراث نازل ہونے کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں:

"وکان للمتوفی منها زوجها نفقتها و سکنٰها فی الدارسنة فنسختها آیة المواریث"[13]

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کا سکنیٰ اور نفقہ ایک سال تک اس خاوند کے اہل خانہ پر لازم تھا۔

آیات میراث کے نزول سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

اگر بالفرض اس سے مراد عدت بھی لی جائے، تب بھی یہ آیت چار مہینے دس دن عدت والی آیت سے منسوخ ہو گی۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں تضاد نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

دین میں جبر ہے یا نہیں؟:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"لاَ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ"[14]

"دین میں کوئی جبر نہیں"

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

"قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلاَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلاَ یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلاَ یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ"[15]

"وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور نہ دین حق کو اپنا دین تسلیم کرتے ہیں، آپ ان سے جنگ کریں"

ان دونوں آیات کے متعلق بھی تضاد کا دعویٰ کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ دین میں جبر نہیں ہے اور دوسری آیت میں فرمایا کہ دین قبول نہ کرنے والوں سے لڑو۔

جب جبر نہیں تو پھر لڑائی کیوں؟ کہنے کو تو کوئی کچھ بھی کہہ سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان آیات میں تضاد نام کی کوئی چیز نہیں۔ دین میں جبر

---

[13] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۲۸۰

[14] البقرہ: ۲۵۶

[15] التوبہ: ۲۹

نہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ دین قبول کرنے میں کس پر جبر نہیں کیا جائے گا اور جہاد کا مقصد انہیں جبراً مسلمان کرنا نہیں بلکہ جہاد کا مقصد یہ ہے کہ وہ دین الٰہی کی برتری کو قبول کریں اور ذمی بن کر جس عقیدے پر چاہیں رہیں اور سورۃ التوبہ کی اسی آیہ کریمہ کے آخری الفاظ اسی مفہوم کو خوب واضح کر رہے ہیں کہ فرمایا:

"حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ"[16]

"کہ ان سے اس وقت لڑو جب تک وہ اپنی پستی کا احساس کرتے ہوئے جزیہ نہ دیں"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد کا مقصد جبراً دین قبول کروانا نہیں بلکہ اسلامی ریاست کے غلبہ اور تسلط کر منوانا ہے اور لا اکراہ فی الدین والی آیت تو نازل ہی اس وقت ہوئی تھی کہ بنو اوس کے کچھ بچے قبیلہ بنو نضیر کے ہاں رضاعت پر پلے تھے اور بنو نضیر یہودی تھے۔ ان بچوں نے کہا ہم تو یہودیوں کے ساتھ جائیں گے اور انہیں کا دین قبول کریں گے، تو بنو اوس نے چاہا کہ انہیں جبراً مسلمان کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرما کے بنو اوس کو ان بچوں کو جبراً مسلمان کرنے سے روک دیا۔

واضح رہے کہ دین قبول کرنے میں کسی پر جبر نہیں ہے لیکن جب کوئی اپنی مرضی سے دین قبول کر لے تو پھر احکامات پر عمل کرنے میں ان پر سختی کی جاسکتی ہے۔ اس لیے یہ آیت بھی لا کراہ فی الدین کے منافی نہیں ہے:

"وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ"[17]

"اور یاد کرو جب ہم نے تم سے (تورات پر عمل کرنے کا) عہد لیا اور پھر (نافرمانی کرنے پر)، کوہ طور تمہارے اوپر بلند کر دیا کہ جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی اسے مضبوطی سے تھامو"

اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ یہاں بھی دین میں ان پر کوئی جبر نہیں تھا بلکہ انہوں نے عہد اپنی مرضی سے باندھا۔ جب اسے توڑا تو ان پر سختی کی گئی۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"و المعنی ان اخذ المیثاق کان متقدما فلما نقضوه بالامتناع عن قبول الکتاب رفع علیهم الجبل"[18]

"کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے پہلے قبول کتاب کا عہد لیا گیا تو جب انہوں نے عہد توڑا تو پہاڑ ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دین میں جبر نہ ہونے اور حکم جہاد میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ جہاد کا مقصد جبراً دین قبول کروانا نہیں بلکہ کافروں کے فساد کو ختم کرنا ہے۔ قاضی مظہریؒ فرماتے ہیں:

"فان الامر بالقتال و الجهاد لیس لاجل الاکراه علی الدین بل لدفع الفساد من الارض فان الکفار یفسدون فی الارض ویصدون عباداللّٰه عن الهدی والعبادة"[19]

"جہاد اور قتال کا حکم دین پر جبر کرنے کے لیے نہیں بلکہ زمین سے فساد ختم کرنے کے لیے تھا کیونکہ کافر زمین میں فساد پھیلاتے تھے اور لوگوں کو ہدایت قبول کرنے اور عبادت الٰہی سے روکتے تھے"

اس سے ان آیات میں تطبیق واضح ہے۔

---

[16] التوبہ: ۲۹

[17] البقرہ: ۶۳

[18] رازی، فخر الدین، التفسیر الکبیر، ج ۳، ص ۱۰۷

[19] تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۳۵۲

کیا اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے گا؟:

اس تناظر میں ان دو آیات میں تضاد کا دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا "[20]

"کہ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف فرمادے گا"

جبکہ دوسرے مقام پر فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ لاَ يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَکَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ يَّشَآءُ"[21]

"بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کو معاف نہیں کرتا کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے کم ہر گناہ کی جس کے لیے چاہتا ہے بخشش فرمادیتا ہے"

ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا کہ پہلی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف فرمادیتا ہے اور دوسری آیت میں فرمایا کہ وہ شرک معاف نہیں کرتا تو اس لیے ان دونوں آیات میں تضاد ہے (نعوذ باللہ من ذلک)

حقیقت یہ ہے کہ یہاں کوئی تضاد نہیں۔ پہلی آیت کا تعلق توبہ سے ہے کہ اگر کوئی توبہ کرلے تو توبہ کے سبب اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرمادے گا اور دوسری آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی بغیر توبہ کے مر جائے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس کے بھی جو گناہ چاہے معاف کردے گا لیکن شرک معاف نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو بغیر توبہ کے معاف نہیں کرتا۔ مفسر الصاوی فرماتے ہیں:

"ای ان مات من غیر توبۃ"[22]

یعنی اگر کوئی بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کا شرک کا گناہ معاف نہیں ہو گا۔ مراد یہ ہے کہ شرک کے سوا باقی گناہ توبہ سے بھی معاف ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر توبہ کے محض اپنے فضل سے بھی معاف فرما سکتا ہے لیکن شرک کا گناہ اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے معاف نہیں کرتا۔ اس سے ان آیات میں تطبیق واضح ہے۔

شراب شیطانی کام ہے یا نعمت؟:

قرآن مجید میں ایک مقام پر فرمایا گیا:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"[23]

"اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب نجس شیطانی کام ہیں، ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ"

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

"وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا"[24]

---

[20] الزمر: ۵۳

[21] النساء: ۱۱۶

[22] الصاوی، تفسیر صاوی: ج ۱، ص ۶۴

[23] المائدہ: ۹۰

[24] النحل: ۶۷

"اور کھجور کے پھلوں اور انگوروں سے بھی (ہم تمہیں ایک مشروب دیتے ہیں) جس سے تم شراب بھی بناتے ہو اور پاکیزہ رزق بھی"

ان دونوں آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا کہ قرآن مجید کا بیان متضاد ہے کہ ایک جگہ شراب کو شیطانی کام کہا اور دوسری جگہ شراب کا ذکر نعمتوں میں کیا۔ یہاں تضاد قطعاً نہیں ہے۔ شراب شیطانی کام ہی ہے۔ یہ حرام بھی ہے اور نجس بھی۔ یہاں تک دوسری آیت کا تعلق ہے کہ وہاں شراب کا ذکر نعمتوں کے ساتھ کیا گیا ہے تو مفسرین کرام نے اس کے تین اسباب بیان کیے ہیں: ان کے نزدیک یا تو یہ سورت مکی ہے اور شراب مدینہ منورہ میں حرام ہوئی چونکہ اس وقت تک شراب حرام نہیں تھی، اس لیے اس کا ذکر کیا گیا لیکن اسے رزق حسن کے مقابل ذکر کے اشارہ کر دیا کہ شراب رزق حسن نہیں ہے، اس لیے اس سے بچو۔ یہ امام شعبیؒ اور امام نخعیؒ کی رائے ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان یجمع بین العتاب والمنتة یعنی یہاں عتاب اور احسان دونوں جمع کیے گئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تو تمہیں کھجور اور انگور کے پاکیزہ پھل دیتے ہیں اور تم اس سے شراب بنانے لگتے ہیں؟ اور اسی سے پاکیزہ چیزیں بھی بناتے ہو۔ چنانچہ شراب کا تعلق عتاب سے ہے اور رزق حسن کا احسان سے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگرچہ سکر کا لفظ عموماً شراب کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن بہر حال یہ خمر کا مترادف نہیں ہے۔ اس سے مراد کوئی میٹھا رس وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہاں سکر سے مراد شراب نہیں ہے بلکہ نبیذ ہے اور اس سے مراد ہے:

"عصير العنب والذبيب والتمراذا طبخ حتى يذهب ثلثاه ثم۔ يترک حتى يشتد وهو حلال عند ابی حنيفة و ابی يوسف الی حد السكر"[25]

"انار، انگور اور کھجور کا رس جب اسے اتنا پکایا جائے کہ اس کا دو تہائی ختم ہو جائے پھر اسے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس میں سختی آ جائے تو یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اتنی مقدار میں حلال ہے جب تک وہ نشہ کی حد کو نہ پہنچے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دونوں آیات میں کوئی تضاد نہیں"

کیا بیویوں میں انصاف ممکن ہے؟:

قرآن کریم میں واضح فرمایا گیا ہے کہ ایک انسان کو چار عورتوں تک نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ پھر فرمایا:

"فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ"[26]

"ہاں! اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (ان بیویوں میں) انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر صرف ایک عورت ہی سے نکاح کرو یا وہ کنیزیں جو تمہاری ملکیت ہیں"

ایک اور مقام پر فرمایا:

"وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ"[27]

"اور تم بیویوں میں انصاف نہیں کر سکتے اگرچہ تم جتنا بھی چاہو۔ البتہ کسی ایک کی طرف پورے پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری درمیان میں لٹکی ہوئی چیز کی طرح ہو جائے"

ان دونوں آیات کے متعلق کہا گیا کہ ان میں قرآن مجید کا بیان مختلف ہے کہ ایک مقام پر کہا کہ بیویوں میں عدل کر سکتے ہو تو نکاح کرو اور

---

[25] زمخشری، ابو القاسم محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، ج ۲، ص ۵۷۶

[26] النساء: ۳

[27] النساء: ۱۲۹

دوسرے مقام پر کہا کہ تم ان میں ہر گز عدل نہیں کر سکتے تو پھر چار بیویوں تک نکاح کرنے کی اجازت کا مقصد کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان آیات میں کوئی تضاد نہیں بلکہ یہ حکم عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے کیونکہ انسان بعض چیزوں میں انصاف کر سکتا ہے اور بعض میں نہیں۔ ایک انسان کے لیے یہ تو ممکن ہے کہ وہ نفقہ، سکنیٰ اور دیگر معاملاتِ حیات میں سب بیویوں میں انصاف کرے اور سب کو برابر نفقہ اور سکنیٰ وغیرہ دے لیکن وہ یہ نہیں کر سکتا کہ وہ دو بیویوں سے برابر کی محبت کرے۔ پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم چار عورتوں سے نکاح اس وقت کر سکو گے جب نفقہ، سکنیٰ اور وقت وغیرہ میں برابری کرو اور دوسری آیت کا مقصد یہ ہے کہ تم قلبی رجحان اور محبت میں کبھی بھی برابری تو نہیں کر سکو گے البتہ حتیٰ الامکان کوشش ضرور کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری پورا جھکاؤ ایک کی طرف ہو جائے اور دوسری درمیان میں لٹکتی رہے کہ نہ تو تم اسے بیوی کے حقوق دو اور نہ ہی آزاد کرو۔

یہ حکم فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ ان دونوں باتوں کو متضاد کہنا انسانی فطرت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ عدل کرنے کا حکم نان و نفقہ اور سکنیٰ کے متعلق ہے اور عدل نہ کر سکنے کا تعلق قلبی جھکاؤ اور محبت سے ہے۔ آیت کریمہ میں خود اس کی وضاحت کر دی گئی کہ ان معاملات میں تم انصاف تو نہیں کر سکو گے البتہ ممکنہ حد تک کوشش ضرور کرو ایسا نہ ہو کہ ایک تو بیوی بن کے رہے اور دوسری درمیان میں لٹکتی رہے، نہ اسے بیوی کے حقوق دو اور نہ ہی آزاد کرو۔ چونکہ انسان تکلیف مالایطاق کا مکلف نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لاَ یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَہَا" [28]

"اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا"

اس لیے دیگر معاملات میں انصاف نکاح کی شرط ہے لیکن محبت میں ممکنہ حد تک انصاف کرنے کا حکم ہے۔

"وقیل معناہ ان تعدلوا فی المحبۃ"[29]

"اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں عدل نہ کر سکنے سے مراد محبت میں عدل ہے"

چنانچہ رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے تھے:

"ھذہ قسمتی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک"[30]

"اے اللہ! بیویوں کے درمیان یہ میری وہ تقسیم جو میرے اختیار میں ہے اور تو اس چیز میں مجھے ملامت نہ فرمانا جو تیرے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں نہیں"

اس سے ان آیات میں تطبیق واضح ہے۔

مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا خود انسان کی طرف سے؟:

اس تناظر میں ایک مقام پر ارشاد ہے:

"مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ"[31]

"کوئی مصیبت حکم الٰہی کے بغیر نہیں آتی"

---

[28] البقرہ:۸۶

[29] زمخشری، ابوالقاسم محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، ج۱، ص ۶۰۵

[30] سنن ترمذی، باب ماجاء فی الشویۃ، بیروت، دار الغرب الاسلامی، رقم الحدیث ۱۱۴۰، ج۲، ص ۴۳۷

[31] التغابن: ۱۱

دوسرے مقام پر فرمایا:

"وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ"[32]

"اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچتی ہے اور وہ بہت سے کاموں سے در گزر فرماتا ہے"

ان آیات کے متعلق بھی تضاد کا دعویٰ کیا گیا کہ پہلی آیت میں کہا گیا کہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اور دوسری آیت میں کہا گیا کہ انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ درست بات یہ ہے کہ ان آیات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ایک آیت میں جو اجمال ہے دوسری میں اسی کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا فاعل حقیقی اور خالق ہے اور اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ انسان کو نعمتیں تو محض اپنے فضل سے دیتا ہے اور مصیبت انسان کے اعمال کی وجہ سے اس پر نازل کرتا ہے چنانچہ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

"مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ"[33]

"تمہیں جو اچھائی پہنچتی ہے تو وہ محض اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے سبب سے ہوتی ہے"

تو مصیبت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فاعل حقیقی اور ہر چیز کے خالق ہونے کی نسبت سے ہے اور بندوں کی طرف نسبت اس مصیبت کا سبب ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لیے ان آیات میں کوئی تضاد نہیں۔ واضح رہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مصیبت صرف گناہوں کے سبب ہی نہیں آتی کبھی نیک بندوں کی آزمائش یا ان کے درجات بلند کرنے کے لیے ان کی آزمائش کے طور پر بھی آتی ہے۔

قرآن مجید صرف متقین کے لیے ہدایت ہے یا تمام لوگوں کے لیے؟

اس تناظر میں تضاد کا دعویٰ کرتے ہوئے ان دو آیات سے استدلال کیا گیا۔ ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

"ہُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ"[34]

"یہ متقین کے لیے ہدایت ہے"

دوسرے مقام پر فرمایا:

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ"[35]

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا جو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے"

ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا کہ پہلی آیت میں کہا کہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے اور دوسری آیت میں کہا کہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس سے قرآن مجید کے بیان میں اختلاف واضح ہوتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں آیات اپنی جگہ پر حقیقت ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ قرآن مجید ہدایت تو تمام لوگوں کے لیے ہے لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو تقویٰ کے طالب ہوتے ہیں چنانچہ قرآن مجید اپنی اصل کے اعتبار سے سب لوگوں کے لیے ہدایت ہے لیکن انجام کے اعتبار سے اس سے صرف متقین ہی کے

---

[32] الشوریٰ:۳۰

[33] النساء:۷۹

[34] البقرہ:۲

[35] البقرہ:۱۸۵

لیے ہدایت ہے۔ چنانچہ ہُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ میں انجام کا ذکر ہے اور ہُدًی لِّلنَّاس میں اصل کا۔

"وتخصيص الهدى بالمتقين باعتبار الغاية"[36]

"اور متقین کے ساتھ ہدایت کی تخصیص انجام کے اعتبار سے ہے"

اس بات کو ہدایت کی اقسام کے اعتبار سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ ہدایت کی دو قسمیں ہیں ایک اراءۃ الطریق دوسری ایصال الی المطلوب۔ اراءۃ الطریق سے مراد صرف راستہ دکھاتا ہے اور ایصال الی المطلوب سے مراد منزل مقصود تک پہنچا دینا ہے۔ مراد یہ ہے اراءۃ الطریق کے اعتبار سے قرآن مجید تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے کہ سب کو راستہ دکھاتا ہے اور ایصال الی المطلوب کے اعتبار سے صرف متقین کے لیے ہدایت ہے کہ جو لوگ تقویٰ کے طالب ہوتے ہیں قرآن مجید انہیں منزل مقصود یعنی اللہ تعالیٰ کی حریم ناز تک پہنچا دیتا ہے۔ تو یہ دونوں آیات لوگوں کی دو قسموں کے اعتبار سے ہیں، ان میں کوئی تضاد نہیں۔

شیطان کو لوگوں کا دوست اللہ تعالیٰ بناتا ہے یا لوگ خود؟:

قرآن مجید میں ایک مقام پر فرمایا:

"اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ"[37]

"بے شک ہم نے شاطین کو انہیں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّہُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ"[38]

"بے شک ان لوگوں نے اللہ کے بجائے شیطانوں کو اپنا دوست بنالیا ہے"

ان آیات سے متعلق کہا گیا کہ پہلی آیت میں فرمایا کہ شیطانوں کو لوگوں کا دوست اللہ تعالیٰ بناتا ہے اور دوسری آیت میں کہا گیا کہ لوگ خود شیطانوں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ اس لیے ان آیات میں تضاد ہے۔ لیکن در حقیقت یہاں تضاد کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف شیطانوں کو سرکش لوگوں کے دوست بنانے کی نسبت فاعل حقیقی اور ہر چیز کا خالق ہونے کی وجہ سے ہے اور لوگوں کی طرف اس کا سبب ہونے کی وجہ سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب کوئی انسان راہِ حق سے انحراف کر کے شیطان کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرتا ہے تو اللہ جبراً اسے روکتا نہیں بلکہ بطور سزا شیطانوں کو اس پر مسلط کر دیتا ہے اور اس کے لیے شیاطین کی دوستی کو مزین کر دیتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

"وَکَذٰلِکَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا م بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ"[39]

"اس طرح ہم ان کے کرتوتوں کے سبب بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں"

تو یہاں اس فعل کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت خلق کے اعتبار سے ہے اور بندوں کی طرف کسب کے اعتبار سے۔ لہٰذا ان آیات میں کوئی تضاد نہیں۔ ان دونوں آیات سے واضح ہوتا ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن بندے اپنے افعال کے کاسب خود ہیں۔ اس لیے وہ اپنے افعال کے جواب دہ ہیں۔ اس طرح یہ آیات معتزلہ کے خلاف حجت ہیں جو بندوں کو ہی اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو نہیں۔

---

[36] بیضاوی، ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر، انوار التنزیل واسرار التاویل، ج ۱، ص ۲۳

[37] الاعراف: ۲۷

[38] الاعراف: ۳۰

[39] الانعام: ۱۲۹

امام نسفیؒ فرماتے ہیں:

"والآیۃ حجۃ لنا علی الاعتزال فی الھدایۃ والضّلال"[40]

"کہ یہ آیت ہدایت اور گمراہی میں معتزلہ کے خلاف ہمارے حق میں دلیل ہے"

یعنی ان افعال کی خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور کسب کی بندوں کی طرف۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان آیات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

کیا حضور ﷺ سے بات کرنے سے پہلے اہل ایمان کو صدقہ کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟:

قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً"[41]

"اے ایمان والو! جب تم رسول (کریم ﷺ) سے تنہائی میں کوئی بات کرنا چاہو تو اپنی اس تنہائی کی بات سے پہلے صدقہ کیا کرو"

اس سے اگلی آیت میں ہے:

"ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ط فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ"[42]

"کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی کی بات سے پہلے صدقات دیا کرو۔ تو جب تم ایسا نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تم پر متوجہ ہوا تو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو"

ان دونوں آیات سے استدلال کرتے ہوئے بھی قرآن کریم میں تضاد کا دعویٰ کیا گیا اور کہا گیا کہ پہلی آیت میں صدقہ دینے کا حکم ہے اور دوسری آیت میں اسی حکم کی نفی ہے۔ تضاد کا یہ دعویٰ علوم قرآن سے ناواقفیت اور بہت سطحی سی بات ہے کیونکہ دوسری آیت میں فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا کے الفاظ واضح انداز میں اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ پہلی آیت میں جو صدقہ کرنے کا حکم تھا اس پر عمل کرنا لوگوں کو مشکل محسوس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر نرمی کرتے ہوئے پہلا حکم منسوخ کر دیا اور دوسری آیت میں حکم دیا کہ چونکہ تم ایسا نہیں کر سکتے، اس لیے صدقہ کرنے کا حکم منسوخ کیا جاتا ہے۔ اب نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ تو ان آیات میں تضاد نہیں بلکہ نسخ ہے۔ پہلی آیت کے حکم کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

جب کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ سے بہت زیادہ سرگوشیاں کرنے لگے اور ان کا یہ رویہ آپ پر شاق گزرا تو اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت نازل فرمائی۔ جب لوگوں نے اس حکم کو مشکل سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت نازل فرما کے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔ پہلا حکم بہت جلد منسوخ ہو گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"آیۃ فی کتاب اللہ لم یعمل بھا احد قبلی ولا یعمل احد بعدی وھی ایۃ المناجاۃ"[43]

---

[40] النسفی، تفسیر مدارک، ج۱، ص ۵۶۴

[41] المجادلۃ: ۱۲

[42] المجادلۃ: ۱۳

[43] تفسیر مظہری، ج۷، ص ۶۰

"قرآن مجید میں ایک ایسی آیت ہے جس پر (میرے سوا) نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا نہ میرے بعد
اور وہ سرگوشی کے حکم والی آیت ہے"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان آیات میں تضاد نہیں نسخ ہے۔